www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

وفاقی شرعی عدالت کا جرأتمندانہ فیصلہ

عوامی نمائندگی کے بعض قوانین میں اصلاحات کی تجاویز

مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو وفاقی شرعی عدالت پاکستان نے بعض انتخابی قوانین کے بارے میں ایک اہم فیصلے کا اعلان کیا ہے جس کی رو سے صدرِ مملکت کو آئینِ پاکستان کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کی اساس پر عوامی نمائندگی کے قانون مجریہ ۱۹۷۶ء کی دفعات ۱۳، ۱۴، ۴۹، ۵۰، ۵۲ اور دفعہ ۳۸ (۴) (سی) (ii) میں ۳۱ دسمبر ۱۹۸۹ء تک بعض ترامیم کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ اسی طرح ایوان ہائے پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کے حکم مجریہ ۱۹۷۷ء میں بھی مذکورہ تاریخ تک ترمیم کرنا ہو گی۔ یہ فیصلہ عدالتِ ہٰذا کے پانچ ججوں پر مشتمل فل بنچ نے متفقہ طور پر کیا ہے جس کی تفصیلات اخبارات و جرائد میں آ چکی ہیں۔ لہٰذا ہم اسکے دو خاص نکات کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۱۔ آئین میں عوامی نمائندگی کے لیے اہلیت یا نا اہلی کی جو لازمی شرائط بیان کی گئی تھیں مذکورہ قوانین اور انتخابی مشینری کا طریقِ کار قرآن و سنت کی روشنی میں اس کے مطابق نہیں ہے۔ لہٰذا مخالف امیدواروں کے علاوہ عام ووٹروں کو بھی اسے چیلنج کرنے کا اختیار ہونا چاہیے، جس کے لیے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ مقررہ اہلیت کو جانچنے پرکھنے کے لیے اسکریننگ کمیٹی یا معززین کے ٹربیونل کی صورت میں ایک اعلیٰ فورم تشکیل دیا جائے جو شہادتوں کے بعد نا اہلیت کا فیصلہ دے سکے۔ اس طرح کی تبدیلی سے عوام کو احتساب کا حق حاصل ہو جائے گا۔

۲۔ مذکورہ قوانین کی بعض دفعات میں امیدوار کو انتخابی اخراجات کے لیے جو سرمائے کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ وہ رکنیت یا اقتدار کے حصول پر دھاندلیوں کی بنیاد بنتی ہے۔ لہٰذا اس کا رخ یوں تبدیل ہونا چاہیے کہ کمزوری

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخراجات حکومت کے متعلقہ ادارے یا امیدوار کے حمایتی ہی کریں۔

وفاقی شرعی عدالت جس کی تشکیل و اختیارات آئین کے باب ۳ الف میں تفصیل بیان کیے گئے ہیں گزشتہ حکومت کا ایک اہم کارنامہ گردانا جاتا ہے۔ تاہم اس سلسلے کی قانونی الجھنوں کو ماہرین ہی صحیح طور پر جانتے اور سمجھتے ہیں، لہٰذا اس فیصلے کے روشن پہلوؤں کے ساتھ ساتھ بے لاگ تبصرہ میں جو خلاء سامنے لائے جا سکتے ہیں، فی الوقت ان کی تفصیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا احساس خود فاضل عدالت کو بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فیصلے کی ابتداء ہی میں دو ٹوک اپنے اختیارات اور دستورِ پاکستان کی اسلامی بنیاد کے بارے میں واضح کر دیئے ہیں۔ لہٰذا اس فیصلے کے اثرات کی امید اسی تناظر میں رکھنی چاہیے۔

وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات میں دیگر تحفظات کے علاوہ اہم ترین بات یہ ہے کہ مذکورہ عدالت ملک کے ہر دستوری دفعہ اور قانون کو قرآن و سنت کے احکامات کی روشنی میں نہیں پرکھ سکتی بلکہ قانونی ڈھانچہ "دستور" کے علاوہ اقتصادی نظام جو مالیاتی قوانین سے تشکیل پاتا ہے عدالت کے اختیارات سے باہر ہے۔ گویا پاکستان میں سیکولر وضعی دستور اور سرمایہ دارانہ نظام نہ صرف مستحکم بنیادوں پر ہی قائم رہے گا، بلکہ انصاف کے حصول کے بناوٹی طریقے، جنہیں قوانین ضابطہ کہا جاتا ہے، بھی پوری طرح محفوظ ہیں۔ باقی رہا دستور ۱۹۷۳ء کا اسلام کے مطابق ہونا تو اس سلسلے میں قرار دادِ مقاصد کا دستور کے دیباچہ سے متنِ دستور میں دفعہ ۲، الف کی صورت درج ہو کر مؤثر ہونا یا قرار داد کی دستور پر بالادستی کا مسئلہ، تو اس کے بارے میں عوامی خوش فہمی تو بہت ہے، مگر فاضل عدالت نے اپنے فیصلہ کے ابتدائی فقرہ ۵ میں ہی اس کی اصل حیثیت کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اس بنیاد پر دستوری دفعات کو قرآن و سنت کی روشنی میں دیکھنے سے معذوری ظاہر کر دی ہے۔ کیونکہ عدالت کی نظر میں یہ بات غیر یقینی ہے کہ یہ دفعہ عدالت کے ذریعہ قابلِ نفاذ ہے۔

ہم جنرل ضیاء الحق مرحوم ہوں یا لیاقت علیخانؒ دونوں حکمرانوں کے دور کے اسلامی اقدامات مثلاً وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل اور قرار دادِ مقاصد کی منظوری کے بڑے قدردان ہیں۔ بالخصوص اوّل الذکر نے مجموعی طور پہ سارے نظامِ ملکی کو ہی اسلامی رخ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر ڈالنے کی ایک پُر زور کوشش بھی کی، بلکہ قرار دادِ مقاصد کو کسی حد تک قابلِ اعتناء بنانے کا سہرا بھی اسی کے سر ہے کہ صدارتی حکم ۱۴ (۱۹۸۵) کی رُو سے اسے اصل آئین کا حصّہ بنا دیا۔

اسی طرح وہ اسلام پسند جو سیکولر جمہوریت کو مختلف طریقوں سے مسلمان بنانے کی مساعی کر رہے ہیں، کی بھی فی الجملہ ہم تائید کرتے ہیں، جن کا ایک حصّہ اعلیٰ عدالتوں میں سود و ٹیکس کے غیر اسلامی قرار دلانے کی رٹوں کے علاوہ وفاقی شرعی عدالت میں سیاسی نظام کی اصلاح کے لیے تگ و دو بھی ہے کیونکہ ان کی کم از کم اس کارِ خیر سے تو مشابہت ہے جس طرح حضرت ابراہیم کے لیے بڑھکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پرندے چونچوں میں پانی لا کر رہے تھے۔ تاہم اس کے مطلوبہ اثرات نکلنے کے بلند بانگ دعوے خدا نہ کرے کہ ایک سراب ثابت ہوں، کیونکہ پاکستان کے سیاسی و مالیاتی نظام میں اسلام کی پیوندکاری کا طرزِ عمل جو ایک مدت سے ہم نے اسلام پسندی کی خواہش کی تکمیل کے لیے اپنایا ہوا ہے۔ اس کی نتیجہ خیزی کا پول اس وقت کھلتا ہے جب وہ ہمارے سیکولر نظام کے اداروں کے زیرِ عمل انجام پاتا ہے۔ دراصل ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم نے لادین جمہوریت اور خلافت علی منہاج النبوۃ کا فرق یہ سمجھ لیا ہے کہ اس بے خدا نظام میں اشخاص و ادارے ظاہری اسلامی صفات کے پابند ہو جائیں تو دورِ حاضر کی خلافتِ راشدہ کی طرف پیش قدمی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ ہمارے ارکانِ پارلیمنٹ اور سیاسی جماعتوں کو اسلامی خلافت میں شوریٰ اور نمائندگی کے تصورات سے کوئی نسبت ہی نہیں، کیونکہ جمہوریت کا نظامِ پارلیمان اور خلافت کی شوریٰ تصورِ نمائندگی سے لے کر اشخاص کی اہلیت تک بنیادی طور پر متضاد ہیں۔ مثلاً جمہوریت میں جس طرح علاقہ بندی اور ووٹروں کے حلقوں سے ملک کو تقسیم کر کے قومی سطح کے نمائندے چند میل کے حلقہ ہی سے چن لیے جاتے ہیں، اس بات سے قطع نظر کہ وہ حقیقی طور پر اس حلقہ کی اکثریت کے بھی نمائندے ہوتے بھی ہیں یا ایسے ہی ہیرا پھیری اور خصوصی پروپیگنڈے سے انہیں اکثریت کی حمایت حاصل کرنے والا باور کرایا جاتا ہے یہ حقیقت ہے کہ چند میل کے حلقہ سے منتخب ہونے والوں کو پورے ملک کی نمائندگی کا کیسے اہل قرار دیا جا سکتا ہے؟ جبکہ اسلام میں مخصوص حلقوں کی بجائے پوری ملت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اعتماد حاصل ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں علاقہ انتظامی یونٹ تو ہوتا ہے حلقہ نمائندگی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ خلافت کی شوریٰ حلقوں کی نمائندہ نہیں ہوتی ملت کی معتمد ہوتی ہے۔ خواہ وہ نمائندے ایک ہی جگہ کے مکین کیوں نہ ہوں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی شوریٰ میں اعلیٰ دینی حیثیت کے حامل ملی خدمات میں پیش پیش اشخاص ہی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ یہ اشخاص عموماً مرکزی مقام کے ہوتے تھے جبکہ کچھ دیگر اہم افراد مرکز میں ہی آباد ہو جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلیفہ کے انتخاب کے لیے نامزد شوریٰ کے چھ افراد کی اس کے علاوہ کیا حیثیت تھی کہ وہ اعلیٰ ملی خدمات کی بدولت دنیاوی زندگی میں ہی جنت کی بشارت پا چکے تھے۔ اسی طرح قبل ازیں حضرت عمرؓ کی اپنی نامزدگی برائے خلافت پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوا تھا۔ لیکن اگر امیر معاویہؓ یزید کو نامزد کریں تو طوفان کھڑا ہو جاتا ہے، فرق وہی تھا کہ جن کی علمی خدمات اور دینی حیثیت مسلمہ تھی ان کی نامزدگی بھی قبول، لیکن جس یزید کو یہ حیثیت حاصل نہ تھی اس کے لیے امیر معاویہؓ کی اعتماد حاصل کرنے کی کوششیں بھی مذموم قرار پاتی رہیں۔ اسلام اور جمہوریت کے فرق کی اس ایک مثال سے ہم اس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اصل مسئلہ نمائندگان کے صرف اوصاف کا نہیں بلکہ جوہری فرق نظام کا ہے۔ جمہوری نظام میں مؤثر کردار کثرت تعداد (QUANTITY) کا ہوتا ہے جب کہ اسلام میں قابلیت (QUALITY) اعتماد کا سبب بنتی ہے۔ جمہوریت میں جس قابلیت (اوصاف) کی خواہش کی جا رہی ہے وہ موجودہ طریقوں سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی، خواہ کتنی ہی تدابیر اس کے لیے اختیار کر لی جائیں۔

حاصل یہ ہے کہ ہماری نظر میں عوامی نمائندگان کے لیے آئین میں دیئے گئے اوصاف صرف دکھانے کے دانت ہیں، کھانے کے نہیں، لہٰذا ان کو عملی شکل دینے کے لیے چند قوانین کی تبدیلی سے بھی مقصود حاصل نہ ہو سکے گا۔ تاہم موجودہ جمہوریت پرستی کی شدت اور اس میں ادنیٰ تبدیلی بھی ناقابل برداشت جیسی ناموافق فضا میں وفاقی شرعی عدالت کا یہ فیصلہ جرأت مندانہ ہے اور قابل مبارک باد بھی۔

اسی طرح ایسی قانونی تبدیلیوں سے انقلابی اصلاحات کی امیدیں رکھنے والوں کی نیک خواہش کی تکمیل کیلئے ہم بھی دعاگو ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ سب کے نیک مقاصد پورے فرمائے اور ان کے لیے ایسی مساعی کو بھی صحیح راہ پر گامزن فرمائے

(آمین)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ